سوؔدا

سوؔدا تخلص ہے۔ بلند مرتبہ شعرا کا سرتاج۔ مرزا محمد رفیع نام ہے۔ نسلی اعتبار سے کابل کا ہے۔ پیدائش اور پرورش جہاں آباد (دہلی) میں ہوئی ہے۔ جوانی کے دنوں میں لکھنؤ چلا گیا اور اسی جگہ وفات پائی۔ اس کی وفات کو بہت زمانہ گزر گیا۔ وزیرالممالک نواب آصف الدولہ بہادر کے درباری مقربین میں تھا۔ تسلیم شدہ استاد ہے۔ شاعری کے فنون میں سب سے آگے ہے۔ اس کی طبع محبوب کے نخرے کے مانند سراپا ناز تھی۔ شاعری تو جیسے اس کے ہر رگ وپے سے برستی تھی اور اس کے کلام کی مٹھاس میں میٹھی صورت والے محبوبوں کے شکر ریز لبوں کے بوسہ کی چاشنی تھی۔ اس کی فکر جنت کا ایسا باغ ہے کہ جس کے پھولوں کو کسی نے نہیں توڑا ہے۔ اور اس کی سوچ خلد بریں کا ابلتا ہوا چشمہ ہے جس سے دودھ کی نہر جاری ہوتی ہے۔ اس کے شاعرانہ ذوق میں شراب ناب کا اثر ہے بلکہ شراب بھی ایسی کہ جو انگور سے از خود نکل آئے۔ اس کے ضمیر کی بلندی سورج کے مانند روشن ہے۔ یہ وہ آفتاب ہے کہ جس کو کبھی گہن نہیں لگتا۔ اس کے خیالات کا پرند بلند سے بلند پرواز کرتا ہے اور اس کی فکر کا ہُما جلیل القدر کیوان بادشاہ کے (بلند) محل کے کنگرے پر سایہ کرتا ہے اور بسیرا لیتا ہے۔ شاعری کے فنون سے اس کو فطری مناسبت تھی۔ اور (مختلف) اصناف سخن پر اس کو مکمل قدرت حاصل تھی۔ تمام خلق خدا میں یہ بات مشہور ہے کہ اس کا قصیدہ غزل سے برآمد ہوا ہے، محض غلط ہے۔ مجھ فقیر کی رائے میں اس کی غزل قصیدہ سے بنی ہے اور اس کا قصیدہ غزل سے بنا ہے۔ یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ اس کی غزل بھرتی کے اشعار سے بھری ہوتی ہے اور اس کا قصیدہ ان سے خالی ہوتا ہے۔ اب اس سے زیادہ کوئی کیا کہہ سکتا ہے کہ اس کے کلام میں اونٹ کے رقص کا منظر ہے کہ قدیم شعرا

کو بعد کے فصیحوں کے مانند اس امر سے شفی ہوتی تھی اور شاعر کا کلام تب ہی دلپذیر گردانا جاتا تھا چاہے وہ قصیدہ ہو چاہے غزل ہو پس ان مقدمات کے پیش نظر ان بزرگوں کی تقلید اور نکتہ چینی کرنا بھی درست نہیں ہے نہ ہی ان پر (سوؔدا کے کلام پر) تنقید کے لیے طعن وتعریض کرنا بجا ہے۔ البتہ جو اشعار بزرگوں نے انتخاب کیے ہیں ان منتخب اشعار کو بنظر غائر دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس بلند مرتبہ اور اعلیٰ درجہ کا جلوہ دکھاتے ہیں۔ اس کی دلیل کے لیے یہ بیان کرنا کافی ہے کہ جو اہل فضل کی شان ہیں، اہل قلم کی عزت ووقار ہیں اور تحقیق کرنے والوں کے لیے جو مثال کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی مولانا محمد صدرالدین، خدائے تعالیٰ استفادہ کرنے والوں کے سرپران کو ہمیشہ قایم ودائم رکھے اور قیامت کے دن کی آفات سے حفاظت فرمائے جن کا تخلص آزردہ ہے۔ انھوں نے اپنے تحریر کردہ تذکرے میں ایجاز واختصار کے ساتھ ریختہ کی نظم لکھنے والوں کا احوال لکھا ہے وہاں انھوں نے میر تقی میؔر کے احوال اور اس کے اشعار کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اس کا کلام جہاں پست ہے وہ تھوڑا پست ہے مگر جو کلام بلند ہے وہ بہت بلند ہے بہر حال قدیم لوگوں کی اس نکتہ چینی سے قطع نظر کرکے ہم اصل مقصد کی جانب اپنی باگ موڑتے ہیں۔ مرزا سوؔدا اقسام شاعری میں مثنوی کی صنف میں عمدہ فکر نہیں رکھتے تھے، پست اور بازارو ہجویں انھوں نے بہت کہیں اور یہی ان کا اسلوب بھی تھا البتہ دل میں کشش پیدا کرنے والے مضامین بھی خوب حاصل کیے۔ اس کا دیوان نگاہ سے گزرا ہے اور اس سے ہی یہ انتخاب پیش کیا جا رہا ہے:۔

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا — پہنچے کب اس کو ہاتھ ہمارے غبار کا
دکھلائیے لے جاکے تجھے مصر کا بازار — لیکن نہیں خواہاں کوئی وہاں جنس گراں کا
ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا — پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا
کیا کروں گا ہاتھ سے جو روکے واعظ میکے جام — ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے
کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

چھپر طبت بادِ بہاری کہ میں جوں نگہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ق سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر کو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

پرے رہ برق خار آشیاں سے میرے کہتا ہوں
اڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یہاں اٹکا

بہنا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا
دی تھی خدا نے آنکھ سو ناسور ہو گیا

بھٹکی پھرے ہے کب سے خدایا مری دعا
دروازہ کیا قبول کا معمور ہو گیا

سودا کو کہتے ہیں کہ ہے اس سے مصاحبت
کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا

اوروں کی نسبت ان دنوں کچھ لگ چلا تھا وہ
دو چار جھڑکیوں میں بدستور ہو گیا

کر قطع ہاتھ پہلے تب فکر کر رفو کا
ناصح جو یہ گریبان تونے سیا تو پھر کیا

ق تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی ان دنوں
تو بھی ٹک اس کو جاکے ستم گار دیکھنا

نے حرف نے حکایت نے شعر نے سخن
نے سیر باغ نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

جا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گزار
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا

تسکینِ دل نہ اس میں پائی تو بہر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس
پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

صحبتوں کا نہ کر و غیر کی مجھ سے اخفا
کونسی شب تھی کہ میں وہاں پس دیوار نہ تھا

اتنا ہی تو یوسف کے مشابہ کہ عدم کے
پردے میں چھپا اس کے تئیں تجھ کو نکالا

سودا جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانئے تونے اسے کس آن میں دیکھا

یہاں پھر اس شرم سے عیسیٰ نے گزارا نہ کیا
چشم خوباں کے جو بیمار کا چارا نہ کیا

اس قدر شیفتہ ہے شکل کا اپنی کہ سدا
آئینہ ہاتھ میں مشرق کو نظر آخر شب

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے بہلانے کی طرح

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

دل عشق کے شعلہ سے جو بھڑکا تو رہا کیا
اے جان نکل جا کہ لگی متصل آتش

اے لالہ گو فلک نے دیئے تجھ کو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ ایک دل ہزار داغ

پتھر کی لیکھ تھا سخن اس کا ہزار حیف
بولی زبان تیشہ نہ فرہاد کی طرف

یک دست اگر زمانہ جہاں کے لٹائے گل
سر کو ہمارے خاک لے دے چہ جائے گل

ہے شرط دردیوں کہ بجز حکم عندلیب
کوئی کسی مزار پہ ہرگز نہ لائے گل

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپھنے نہ پائے کہ بس تمام

بھری ہے دل میں تیرے یہاں تلک محبت غیر
کہ جا نہیں مرے کینے کو پھر تو معلوم

نہ زر نہ زور نہ طالع نہ تیرے دل میں رحم
جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم

عاشق تو نامراد ہے پر اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

کیا چاہیئے تجھے سر انگشت پر حنا
جس بے گنہ کے خون میں چاہے ڈبو لیاں

تونے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

کام ہے چشم کا نظارہ نہ بہنا شب و روز
آنکھ خالق نے رقیبوں کو دی ناسور نہیں

بوسہ ہنس کر نہ دیا اس نے سوائے دشنام
سو کبھی یہ جب نہ ملا کوئی تو مجبور نہیں

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپھے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

کیا گلہ صیاد سے ہم کو یوں ہیں گزرے ہے عمر
اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن

کہے ہے تو بہ پہ زاہد کہ تجھ کو دیں تو نہیں
بھڑا دے خم ہی مرے منہ سے چل نہیں تو نہیں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آئے مگر وہ خواب میں سو خواب ہی نہیں

جی تک تو دے کے لوں کی تو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھ کو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

ساقی ہے یک تبسم گل فرصت بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

کوئی جو پوچھتا ہو تو کس پہ ہے دادخواہ
جوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں

سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنایہ سمجھو
بے زباں میں بھی گفتار کروں یا نہ کروں

لخت جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں

سونپوں میں جسکو منصفی جرم رکھے ہے میرے سر
بسکہ ہوئی تجھ کو راہ خانہ بہ خانہ کو بہ کو

سن کے یہ کہتا ہے میرے نالۂ جانکاہ کو
کیوں مجھے ایسا بنایا کیا کہوں اللہ کو

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا ہمیں
اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

احوال مرا کہہ کہہ مغرور کیا اس کو
اغیار تو تھے ہی تھے پر یار بہت تحفہ

مقتل پہ مرے آکے انصاف لگا کرنے
تقصیر سے یہاں آگے تقدیر نظر آئی

جو طبیب اپنا تھا دل اسکا کسی پر زار ہے
مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

اب تو میں چھوٹنے کا نہیں اس کو ناصحا
ہوتی جو کچھ تھی قبلہ حاجات ہو گئی

پیغامبر نے دیر لگائی تو ہے وے
دھڑکے ہے دل کہ یہ نہ کہے رات ہو گئی

مستی سے اس نگاہ کی لے محتسب خبر
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی

سودا کسی کو وہ تو ستائے نہ بے سبب
کیا جانئے کہ تجھ سے ہی کیا بات ہو گئی

مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکہ تجھ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گزر گئی

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں دل پر آرزو لیے

یوسف تجھے کہ بیٹھے زلیخا تو کہوں کیا
عاشق وہ ہوئے وہاں کہ جہاں جائے ادب ہے

انصاف کس کو سونپئے اپنا بجز خدا
منصف جو بولتے ہیں تو تجھ سے ڈرے ہوئے

ایک غماز نے اس ترک پسر سے یہ کہا
ق ہے جو سودا کوئی شاعر وہ ترا مفتوں ہے

سن کے بولا یہ کہو میری طرف سے اسکو
باندھتا خوں پہ کمر اپنا نیا مضموں ہے

دل لے کے ہمارا جو کوئی طالب جاں ہے
ہم بھی تو سمجھتے ہیں کہ جی ہے تو جہاں ہے

عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرتا ہے
دکھاتا ہے مجھے اس کو جسے آزاد کرتا ہے

عیاں ہے شوق ملنے کا مرے نامے کے کاغذ سے
کہ جب کھولے ہے تو اسکو تو وہ لپٹا ہی جاتا ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ میں دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی ظالم کچھ انتہا بھی ہے

گزرا ہے کس کی نقش پہ ظالم تو بے خبر
دامن کے ساتھ ساتھ ترے گرد ہے سو ہے

سود جوں شمع نہیں گرمیٔ بازار مجھے
ہوں میں وہ جنس کہ آتش دے خریدار مجھے

ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے
جلوۂ حسن اسے حسرت دیدار مجھے

نہ ضرر کفر کو نہ دین کا نقصان مجھ سے
باعث دشمنی اے گبر و مسلماں مجھ سے

تصور میں ترے کہیو صبا اس لاابالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے

ہزاروں نیش زن پاتا ہوں میں یہاں کام میں اپنے
ترے گھر سے تو ظالم خانۂ زنبور بہتر ہے

کیا ضد ہے خدا جانے مرے ساتھ وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی

بے خوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں سودا
اب کہنے کو افسانہ کوئی نوحہ گر آئے

میں بھی ہوں ضعیف اسقدر اے نور کہ وہ اب
گزرے مرے سر سے جو ترے تا کمر آئے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

قاتل ہماری نعش کی تشہیر ہے ضرور
آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے

کم بولنا ادا ہے ہر چند پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ کھولے

پیش از ظہور مرغ چمن خادمان عشق
بٹتے تھے رشتہ، رگ گل دام کے لیے

سوز

سوز تخلص اور نام محمد میر ہے۔ وطن لکھنؤ ہے۔ تیراندازی میں مہارت رکھتا تھا۔ خط شفیعا اور خط نستعلیق اچھا لکھتا تھا۔ اشعار ایسی طرز میں پڑھتا تھا کہ تمام لوگ پسند کرتے تھے۔ اس کے لیے وہ مشہور ہے۔ اس کا کلام سیدھے راستہ ور کنارے پر کہا ہے۔ یہ اس کے اشعار ہیں :-

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یارب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا